# دینی مدارس اور جدید تعلیمی تقاضے

عبدالوہاب محمد قاسم
انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی، اسلام آباد

غلبہ افرنگ سے قبل برصغیر پاک وہند اور دیگر اسلامی ممالک میں ایک ہی نظام تعلیم رائج تھا۔ صدر اسلام سے لے کر بنی اُمیہ کے عہد تک قرآن، تفسیر وحدیث پر زور رہا۔ بنی عباس کے عہد مامونی سے فلسفہ ہیئت اور منطق بھی شامل نصاب ہوگئے۔ عباسی دور حکومت کے اواخر میں جب سلاجقہ شوکت وعروج پر آئے تو دنیائے اسلام کے مشرقی علاقوں میں اس نصاب تعلیم نے مختلف نام پائے اور اس کا سبب بڑے بڑے اسلامی مدارس کی قبولیت تھی۔ دوسری وجہ ارباب حکومت کا علمی شغف اور غیر معمولی دلچسپی جس کی وجہ سے اسلامی ممالک علم وفنون کے مدارس کے لحاظ سے رشک یونان بن گیا تھا۔ ہرات، نیشاپور، اصفہان، بصرہ، رے، بخارا، شیراز، حلب، موصل اور بغداد میں مدارس کے جال بچھ گئے۔

ان مدارس کے نصاب تعلیم اور نتائج کی مقبولیت کی بناء پر بعد کے سلاطین نے بھی اپنے اپنے علاقوں میں نوریہ، مستنصریہ، ستیہ، صلاحیہ، رواحیہ اور ناصریہ نامی مدارس، دمشق، قاہرہ، مالقہ، قبرص اور قیروان میں قائم کیے۔ ان مدارس کے فارغ التحصیل فضلا نے ساڑھے پانچ سو سال تک دنیا کو اخلاق، تہذیب، فلسفہ، تاریخ اور دیگر فنون کا درس دیا۔ اس نصاب تعلیم میں دُنیا وعقبیٰ ہر دو کو سنوارنے کی عظیم صلاحیت تھی۔ دلّی، دیوبند، اُوچ، ٹھٹھہ، ملتان سے لے کر قرطبہ وغرناطہ تک پھیلے ہوئے مدارس کے فضلاء اور کاملین فن کا احصار واحاطہ ناممکن اور مشکل ہے۔

تاریخ وتمدن شاہد ہے کہ مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت انتہائی جامع اور نتیجہ خیز تھا۔ اور اس حد تک کہ چوتھی صدی ہجری سے لے کر نویں صدی ہجری تک مسلمان ذہنی ارتقاء کے بام عروج پر رہے۔ ہر شعبہ علم وفن میں امامت وسیادت انہیں کو حاصل تھی۔ فضلاء اسلام ''قانون فکر'' اور نظام اجتہاد کو پا گئے تھے۔ جس کی صداقت تفسیر وحدیث میں ہی نہیں بلکہ ہیئت وطب میں بھی مسلّم ہے۔

یہ نظام فکر خالص علمی ومنطقی تھا۔ جس کے ذریعے مفکرین اسلام نے ''معلوم'' سے ''غیر معلوم'' کو متصور ومتعین کیا اور یہی انداز فکر قیاس، درایت، اور اجتہاد بن کر اسلامی تہذیب کے فروغ کا سبب بنا۔ بلکہ مدتوں اُس کی حفاظت کی اور مجاہدات علمی اور تزیین زندگی کے بے شمار معرکے سر کر سکا۔ اسلام میں دینی تعلیم کی جو اہمیت، جامعیت، عمق ووسعت اور جو ہمہ گیری وآفاقیت ہے وہ اہل نظر سے اوجھل نہیں۔ دینی تعلیم وعلوم اصولاً ورثہ انبیائی ہے۔ جو کلیتاً علم الٰہی پر مبنی ہے اور جس کا وجود اور ڈھانچہ تعلیمات الٰہیہ سے مشتق ہے۔ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس کے سوتے انسانوں پر انبیائے کرام علیہم السلام کے قلوب مطہرہ سے کھلے اور جاری ہوئے۔ اگر اس کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی تو انتہاء اعلم الناس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ہوئی ہے:

وہ دانائے سُبل مولائے کل فخر الرسل　　جس نے غبار راہ کو بخشا فروغ وادیِ سینا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیفہ آسمانی اور آپ کے ارشادات نورانی انسانیت کے پاس علم وعرفان وہدایت ونور، خدارسی اور انسان سازی کا سب سے وسیع اور بڑا سرمایہ ہے جس کے بغیر نہ تو انسانیت بن سکتی ہے اور نہ باقی رہ سکتی ہے۔ جس میں کوئی کمی نہیں اور وہ انسانیت کے معاش ومعاد کے تمام جملہ مصالح ومفادات کا حامل وکفیل ہے۔ جیسا کہ آیت باری تعالیٰ ہے: الحمدللہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب ولم یجعل له عوجاً..... قیماً۔۔۔ کا مفاد ہے۔ اور قیماً کا لفظ اپنی بلاغت میں ان جملہ حقائق کو اپنے میں سموئے ہوئے ہے۔

اسلام کی نگاہ میں چونکہ انسان کی زندگی موت پر ختم نہیں ہوتی۔ اس لیے ''الدنیا'' کو ''الآخرہ'' کا اس طرح پیش خیمہ بنادیا ہے کہ یہاں کا ہر عمل اپنے آثار ونتائج کے لحاظ سے وہاں مرتب ہوتا ہے۔ گویا کہ دونوں زندگیاں ایک ہی حقیقت کے دو پہلو اور ایک ہی تصویر کے دُو رُخ ہیں۔ اس بناء پر اسلامی تعلیم اپنے اندر دین ودنیا کے مصالح کو لیے ہوئے ہے۔ وہ زندگی کو ایک اکائی گردانتی ہے۔ اور پہلی زندگی کو آخرت کی زندگی کے لیے کھیتی قرار دیتی ہے۔ اس لیے اسلامی تعلیم کی جامعیت میں دین ودنیا دونوں آجاتے ہیں۔ وہ علوم جو انسان سازی پر مبنی ہیں ہم انہیں علوم دین کہتے ہیں جو کہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت اور اُن کے فرائض منصبیہ سے متعلق ہیں اور آج کے اس دور میں دینی تعلیم سے مراد انہی علوم سے لی جاتی ہے۔ دوسرے علوم جو انسان کی اس عالم میں ضروریاتِ زندگی راحت وآسائش سے متعلق ہیں۔ جن کے بغیر اس دنیا کی زندگی بسر نہیں ہوسکتی، ہم انہیں استفادہ کائنات یا دنیاوی علوم یا علوم معاش کہہ سکتے ہیں اور ان دونوں علوم کا تذکرہ قرآن مجید نے سورۃ بقرہ، اعراف اور سورہ طٰہٰ میں کیا ہے۔ ''علّم آدم الاسماء کُلها'' اس میں اس بات کا اظہار ہے کہ فطرۃ بنی آدم میں اشیاء کے خواص وصفات کا علم سمو دیا گیا ہے۔ یعنی ان اشیاء کا علم انسان کے اندر ودیعت کر دیا گیا ہے اور اس سے استفادہ کے لیے عقل وتجربہ کے آلات عطا کیے گئے اور اس میں کافر ومومن کی تمیز نہیں کی گئی۔ جو بنی آدم بھی حواس سے حاصل کردہ معلومات اور اپنے اور انسانی تجربوں کی روشنی میں عقل وفہم سے اس میں کوشش کرے گا تو اس پر کائنات سے استفادہ کی راہیں کھلتی چلی جائیں گی۔ سائنس وٹیکنالوجی اور دیگر دنیاوی علوم اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس میں محنت واشتغال سے آج انسان ستاروں پر کمندیں ڈالنے لگا ہے اور چاند وسورج اور کہکشاؤں تک رسائی حاصل کر رہا ہے۔

لیکن استفادہ کائنات کا علم اس عارضی دنیا کی چند روزہ زندگی کی ضروریات یا آسائش اور راحت رسانی کے لیے ہیں۔ جس سے مقصود انسان کو اس دنیا میں رہتے ہوئے بدرجہ کفایت اپنی جسمانی ودنیوی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ اس کی مثال پانی کی ہے جس پر زندگی کا دارومدار چل رہا ہے۔ اگر پانی کشتی کے نیچے ہے تو فائدہ مند ہے لیکن اگر پانی کشتی کے اندر آجاتا ہے تو یہ باعث ہلاکت اور باعث غرق ہے۔ اسی لیے آج کے انسان کے متعلق ایک شاعر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا　　اپنے انوار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اور جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا　　اپنی ظلمت شب کو سحر کر نہ سکا

غرض رسل کی لائی ہوئی ہدایت وہ نور ہے جس سے انسان کی زندگی روشنی پاکر ظلم وجہل، عدوان وسرکشی، فسق وفجور، عصیان وگناہ، حیوانی خواہشات ونفسانی تاریکیوں اور بدکاریوں سے نجات پاسکتی ہے۔ دلوں کے اندر خداشناسی، حب الٰہی،

خشیت ربانی، تقویٰ و پارسائی کے چراغ اُسی سے روشن ہوتے ہیں اور نفس امارہ کی بدکیشی، برائی، گناہ و معصیت کی ظلمت اسی کی برکت سے نکلتی ہے اور نفس انابت اور طمانیت کے اس مقام پر پہنچتا ہے جہاں یأیتھا النفس المطنئه کی سرمدی آواز سنائی دیتی ہے۔ یہی وہ نورِ نبوت ہے جس سے حق و باطل کا امتیاز، جائز و ناجائز کی تمیز، حرام و حلال اور اچھے برے کا فرق معلوم ہوتا ہے اور یہی وہ چراغ ہے جس سے انسان علم الٰہی کی روشنی پا کر اپنے کو حدود و قیود کا پابند کر لیتا ہے۔ جو انسان کی جان و مال و آبرو کی حفاظت کا واحد منشور ہے اور یہ حقیقت برملا کہی جا سکتی ہے کہ دنیا میں جہاں بھی خیر کا کوئی ذرہ موجود ہے یا بھلائی کی کوئی کرن دکھائی دیتی ہے یہ اسی نورِ مبین کا کرشمہ ہے۔ جس کو علم الٰہی کے نام سے پکارتے ہیں۔

علامہ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام مالکؒ کا قول نقل کیا ہے: ''لیس العلم بکثرة الروایة إنما العلم نور یقر الله في قلوب الرجال '' یہی نور انسان پر حقائق تشریعیہ کو منکشف کر کے ان میں یقین راسخ کو پیدا کر دیتا ہے جسے ایمان کہتے ہیں ۔ اور اسی طرح ابن مسعودؓ کی روایت میں ''الایمان الیقین کله '' (بخاری، ص ۷، ج ۱) کہا گیا ہے۔ یہی نور جب انسان کے رگ و پے اور جسم اور روح میں سرایت کرتا ہے۔ تو اعمال صالحہ کی صورت میں اس کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ قرن اول میں علم کے عملی مظاہر کو بھی علم کہہ دیا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے جامع ترمذی کی ایک روایت میں ''الخشوع'' جو کہ ایک عملی کیفیت ہے کو علم کہا گیا ہے روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''ان شئت لأحدثنك بأول علم یرفع من الناس الخشوع، یوشك أن تدخل المسجد الجامع فلاترىٰ فیه رجلا خاشعا (جامع ترمذی: ج ۲، باب ماجاء فی ذہاب العلم) غرض حکمت الٰہیہ نے اس دنیا میں بنی آدم کو بھیج کر کچھ علوم تو اُسے ایسے ودیعت کیے جو یہاں کی زندگی سے متعلق ہیں۔ جن سے انسان استفادہ کرتا ہے۔

دنیا آج تہذیب و تمدن، شعور و ثقافت کی جس منور شاہراہ پر گامزن ہے، یہ سب کچھ اسی اُصولِ فکر کی مرہون منت ہے۔ جس کی داغ بیل قرطبہ، اشبیلیہ، غرناطہ، بغداد، مالقہ کے مدارس و جامعات میں پڑی اور حکمت افرنگ کے تمام سرچشموں کا منبع بھی سرزمین مشرق ہے۔

ایک مغربی دانشور موسیو رابرٹ بریفالٹ اپنی ایک تصنیف (The Meaning of Mumanit) میں لکھتے ہیں:

> ''سائنس اپنے وجود کے لیے عربوں کی مرہون منت ہے۔ سائنس صرف حیرت انگیز دریافتوں اور انقلاب آفرین نظریوں کی حد تک ہی نہیں بلکہ اس سے بہت زیادہ عربوں کی احسان مند ہے۔ ہم جسے سائنس کہتے ہیں وہ مغرب میں حقائق اشیاء کے تجسس کی نئی اسپرٹ، تجربہ، تحقیق اور تجرباتی تحقیق کے نئے طریقوں اور مشاہدات کی ان نئی عادتوں کے نتیجے میں ابھری، جن سے یونانی ناواقف تھے اور عربوں نے یورپ کی سرزمین میں اس اسپرٹ اور ان طریقوں سے دنیا کو متعارف کروایا''۔

ڈاکٹر لوسین لیارک اپنی تالیف میں (Ecclessiatical) کہتے ہیں:

> ''اس امر کا اعتراف کرنا چاہیے کہ طبیعیات، نجومیات، فلسفہ، ریاضیات ہو یا کیمیا وہ تمام علوم جو دسویں صدی سے یورپ میں پھیلے، اصل میں عرب علماء سے حاصل کیے گئے تھے''۔

مشہور و معروف اہل قلم جارج سارٹن فضلائے اسلام کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

''سب سے زیادہ گراں قدر، سب سے زیادہ اور یجنل اور سب سے بڑھ کر منفرد کتابیں عربی زبان میں لکھی گئی ہیں۔ آٹھویں صدی کے نصف آخر سے گیارھویں صدی کے اختتام تک عربی ہی بنی نوع آدم کی سائنس اور ترقی پسند زبان تھی۔ اس دور میں اگر کوئی شخص علوم متداولہ سے بہرہ ور ہونا چاہتا تھا تو اُسے عربی ہی پڑھنی پڑتی تھی۔ آج سائنس و ٹیکنالوجی کے علوم اسی صنف سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسلمانوں نے اپنے دورِ عروج میں ان سے اعراض واغماض نہیں کیا۔ بلکہ موجودہ لادین تہذیب وتمدن سے پہلے تمام دنیا میں مسلمان ہی اس کے حامل اور اس کی ساخت و پرداخت کرنے والے تھے۔ ہسپانیہ سے لے کر ہندوچین تک بے شمار حکماء وفیلسوف وسائنس دان اسے سنبھالے ہوئے تھے''۔

مثلاً بعض مسلمان اسلاف جن کے معاصر مغرب میں ناپید ہیں۔ جابر بن حیان، الخوارزمی، الفرغانی، زکریا الرازی، ابونصر فارابی، بوعلی سینا، ابوریحان محمد البیرونی، ابن خلدون وغیرہم۔ جنھوں نے سائنسی علوم اور دیگر فنون کو اسلامی علوم کے ساتھ پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا اور ان کے موجد ٹھہرے! تاہم یہ بات واضح رہے کہ اس علم کے حامل مسلمان سائنس دان اور کافر کیمیادان میں فرق یہ ہے کہ مومن کے لیے اس راہ کا ہر قدم اللہ تعالیٰ کی قدرت، کمال صنعت کاری وحکمت و کرشمہ سازی کی راہیں کھولتا ہے۔

مسلمان ان اشیاء سے استفادہ کے علم کو اپنی افزائش بصیرت وایمان کا ذریعہ بناتے ہوئے اس میں مکمل طور پر منہمک نہیں ہوتا۔ جب کہ کافر اُن میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ بات کا مدعا یہ ہے کہ اسلام اشیاء سازی کے علوم کا مخالف نہیں لیکن اُسے مقصود زندگی نہیں گردانتا۔ اپنی نگاہ ہر آن ان علوم پر مرکوز رکھتا ہے جو انسان کے بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے بھیجے اور جس کے سب سے بڑے حامل وعامل، عالم وداعی ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یہ علوم آج ہمارے پاس قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر، کلام وتصوف کی صورت میں موجود ہیں۔

دینی علوم سینہ نبوت کا سرمایہ اور نور ہیں جن کا سب سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت اور پہچان، تقویٰ وعبادت، اخلاق وپارسائی کا حصول، صفائی معاملات اور معاشرت کی درستگی ہے۔ یہ تعلیم انسان ومعاشرہ کی ضرورت ہی نہیں، بلکہ معاشرہ اپنی اصلاح وبقا کے لیے اسی تعلیم کا محتاج ہے۔ آج دنیا میں بے راہ روی، اخلاقی انارکی، سیاسی کجی، معاشی ناہمواری اور معاشرتی خرابی پھیلی ہوئی ہے، سب اس تعلیم کے فقدان کا نتیجہ ہے۔ یہی تعلیم انسانیت کی بقا وحفاظت، ترقی وکمال کا واحد ذریعہ ہے۔ اس تعلیم حامل وامین اور قلعے ہمارے یہ دینی مدارس اور دینی درسگاہیں ہیں۔

روئے زمین پر دینی مدارس کا وجود باعث خیر وبرکت اور ذریعہ سعادت ہے۔ اگر ہمیں معاشرے میں کہیں اعمال صالحہ، اخلاق حسنہ کا سراغ ملتا ہے تو وہ انہی مدارس کی بدولت ہے۔ یہ حقیقت آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہے کہ دینی مدارس نے معاشرے میں بسنے والے افراد کی اصلاح وتربیت کے لیے بے حد وبے شمار مخلص وپاک باز، متقی ومتدین رجال فراہم کیے جو بحمد اللہ بڑے ہی احسن انداز میں معاشرے میں بسنے والے افراد کی اصلاح وتربیت کے لیے انقلابی کردار ادا کر رہے ہیں۔

ہمارے دینی مدارس اپنی بھرپور سعی تک ان علوم کی تکمیل دینے میں منہمک ہیں اور ان کا اصل سرمایہ اور میدان بھی یہی

ہے۔ بحمداللہ اسی مروجہ نصاب تعلیم سے علم وعمل کی وہ نادرۂ دہر شخصیات پیدا ہوئیں جو اپنے اپنے دائرہ میں خود محیط علم اور سرآمد روزگار تھیں۔ ملت کے دینی وعلمی، سیاسی ومعاشی، انفرادی واجتماعی غرض جملہ تقاضوں میں روشنی کا مینار بن کر امت کی راہ نمائی کرتے رہے ہیں اور آج جو امت محمدیہ میں حیات ملّی کا جو خون دوڑ رہا ہے یا علم وعمل کی جس قدر توانائی پائی جاتی ہے اور دین کا جس قدر حصہ باقی ہے۔ انہی بوریہ نشینوں، توحید کے سرشاروں اور علوم نبویہ کے غم گساروں کی برکت ہے۔

آج جدید زمانہ اور نیا دور بے شمار تقاضوں اور ضرورتوں کے ساتھ امت مسلمہ کے سامنے کھڑا ہے۔ تہذیب حاضر اپنی جملہ فتنہ سامانیوں، کج ادائیوں، دل فریبیوں اور ذہنی وعلمی ہوشربائیوں کے ساتھ ملّت کے ایک کثیر طبقہ کو دین کے بارے میں شک، بے دینی اور الحاد کی راہ پر ڈالنے پر کمربستہ ہے۔ کہیں سیاست ومعاشیات، کہیں فلسفہ واشتراق، کہیں سائنس وٹیکنالوجی، کہیں تہذیب وتمدن اپنے اپنے رُخ سے دین ومذہب کی بنیادیں ہلانے پر تُلا ہوا ہے۔ آج دنیا میں ایک ہی دین ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے (ان الدین عنداللہ الاسلام) جو زندگی کے جملہ گوشوں اور معاشرت کے جملہ پہلوؤں اور حیات انسانی کے کُل وجز پر حاوی ہے۔ اس لیے عالم انسانیت میں جو بھی فتنہ ابھرتا ہے۔ اُس کی زد صرف اسلام پر پڑتی ہے۔ دنیا میں کوئی فکری بھونچال آتا ہے اس کا مدعا اسی دین قیم کی جڑوں کو متزلزل کرنا ہوتا ہے۔ سیاسی یا معاشرتی، الحاد ودُہریت کا جو بھی سیلاب اٹھتا ہے۔ اُس کی سرکش موجیں اسلام کے ساحل پر چھا جانا چاہتی ہیں۔ کفر کا ہر ریلہ فرزندان توحید کو نگل لینا چاہتا ہے۔

غرض خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا لافانی دین اسلام ہر طرف سے، ہر رُخ سے کفر وطغیان، بے دینی والحاد کے نرغے میں ہے۔ اس قدر شدید ذہنی وفکری، معاشی وسیاسی، تہذیبی وتمدنی وتعلیمی یلغار اور ضرورت پڑنے پر استعماری عسکری حملے شاید تاریخ کے کسی دور میں نہیں ہوئے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مسند علم وارشاد کے جانشینوں، انبیاء علیہم السلام کے وارثوں سے پھر اسی قوت ایمانیہ، غیر متزلزل یقین واعتماد علی اللہ، نور بصیرت، فراست مومن، حکمت ودانائی، تفقہ وتدبر، پختگی کردار، اللہ کے وعدوں پر انمٹ بھروسہ، قرآن فہمی، حدیث دانی، فقیہہ النفسی، احاطت علمی، نور باطن کا تقاضا کرتا ہے۔ جو دشمن کے ہر داؤ، گھات کو پوری طرح سمجھ کر اور اُن کی ہر چال کو جان کر ہر میدان میں اُن کے ہر حملہ کا مکمل طور پر جواب دے۔

یہ کام جس قدر ہمت وعزیمت، جرأت وصبر آزمائی کا طالب ہے وہ ظاہر ہے کہ ہمارے اسلاف کی تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اپنے اس لافانی دین کی حفاظت کے لیے رجال کار پیدا کیے۔ جن کے ذریعے حکمت وفضل ربانی نے تاریخ کا رُخ پھیر دیا۔ جس امت میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، سرخسی، ابوجعفر طحاویؒ، ابوبکر رازی، ابن عبدالبر اندلسی جیسے صدہا فقیہ گزرتے ہوں۔ جس میں امام بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداود، نسائی وبیہقی، حاکم وابن جوزی، ابن خورک وقسطلانی، ابن حجر وعراقی عینی وذہبی۔ جیسے محدث موجود رہے ہوں۔ جس میں امام اشعری وامام غزالی، امام قشیری، ابن تیمیہ وابن قیم جیسے صدہا فرد رہے ہوں۔ جس کی تاریخ طارق بن زیاد وابن قتیبہ، موسیٰ بن نصیر، صلاح الدین غزنوی، غوری جیسے جانبازوں سے پُر ہو۔ جس میں جنید وشبلی، بسطامی وجیلانی، شیخ اکبر ونقشبند جیسے نفوس قدسیہ برکت کا سبب بنے ہوں وہ امت پست ہمت ومایوس کیوں کر ہو سکتی ہے۔

زیادہ دور کیوں جائیں ہمارے اسلاف میں مجدد سرہندی سے لے کر شاہ ولی اللہ تک اور حضرت سید احمد شہید و شاہ اسماعیل شہید سے لے کر حضرت رشید احمد گنگوہی، حضرت قاسم نانوتوی، شیخ الہند محمود حسن دیوبندی، حضرت تھانوی، حضرت انور شاہ کشمیریؒ، حضرت حسین احمد مدنی، حضرت مفتی شفیع، حضرت یوسف بنوری، حضرت مفتی محمود، حضرت غلام غوث ہزاروی، حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری جیسے بیسیوں نابغہ ہائے عصر کا وجود بخشا۔ جن میں ہر ایک کی ذات اسلام کی حقانیت کی نشانی دین کا ستون۔ علم کا بحر بے کنار تھا۔ آج بھی یہ حضرات ہم سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ عصری تقاضے گو نہ اہم ہوں لیکن ان کی مثال دھوپ چھاؤں کی ہے اس لیے دین سپر انداز نہیں ہوتا:

حقیقت ابدی ہے مقام شبری بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی وشامی

اس لیے نئے تقاضوں کو سمجھیے، جانیے، ان کو پڑھیے۔ ان کی تہہ تک پہنچیے، لیکن سلف کی راہ سے انحراف نہ ہو۔ احقاق حق، ابطال باطل کا شیدا ہو۔ مداہنت اور باطل سے صلح جوئی مردان حق کا شیوہ نہیں۔ حکمت و نرمی ابلاغ حق میں مقصود ہے۔ لیکن وہ پرکاری و تلمیح جس سے حق واضح نہ ہو، جوان مرداں کا کام نہیں۔ آخر میں عصری علوم کی اپنے نصاب سے پیوندکاری سے ایک بات ذہن میں آ رہی ہے۔ تقسیم کار کے اس دور میں جس میں ہر فن میں مہارت ایک ضرورت بن گئی ہے۔ ہم قدیمی دینی علوم کے ماہرین پیدا کرنے کے بجائے ایسے ہر فنی غیر کاملین کی کھیپ پیدا کرنی شروع کر دیں جو کہ ہر کچھ جانتے ہوں پھر بھی کاملاً کچھ نہ جانتے ہوں۔ ظاہر ہے یہ غلطی کوئی گوارہ نہیں کر سکتا۔ لیکن موجودہ عصری علوم کی اہمیت سے بھی انکار نہیں۔ علماء کاملین کے ایک طبقہ کو اس کا جاننا احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے لازم ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ دوسروں کے علوم سے مسلمانوں کو سب سے پہلے تیسری صدی سے پانچویں صدی تک سابقہ پڑا تھا۔ جب کہ یونانی، رومی، ہندی اور ایرانی علوم مسلمانوں میں در آئے تھے اور ان کی وجہ سے ایک طبقہ شک میں مبتلا ہونے لگا تھا۔

اس دور کے ان مشرقی اور مغربی علوم کا مداوا جن بزرگوں نے کیا تھا۔ ان کے سرخیل امام غزالی، امام رازی اور امام اشعری تھے۔ انھوں نے ان علوم کو بالکل اسی طرح اپنے نصاب میں داخل نہ کیا تھا بلکہ پہلے انہیں مسلمان کیا تھا۔ پھر ان کی تعلیم کو مسلمانوں میں رائج کیا تھا۔ ع: ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کے۔

دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ علوم کے بحور ظلمات کو آب حیات اور اس گنگا جل کو کوثر و تسنیم کون بناتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ابتداء سے پیوندکاری کے بجائے تخصص کے طور پر مختلف علوم میں سے مختلف شاخوں کو لیا جائے اور اُسے جان آور سمجھ کر جو اسلام کے مطابق ہیں خذ ما صفا ودع ما کدر کے اصول کے مطابق اُسے رہنے دیا جائے۔ جو باطل ہے بغیر کسی ڈر کے اور بغیر لومۃ لائم کے اُسے رد کر دیا جائے اور جہاں تطبیق ممکن ہو، گوارہ کیا جائے۔ اس طرح زہر قند اور شراب سرکہ بن سکتی ہے۔ علوم سے استفادہ منع نہیں۔ سوال اجتناب ضرر کا ہے۔ کاش اللہ ہمیں توفیق دے کہ زمانے کے تقاضوں کو سمجھیں اور ایک ایسی اچھی صورت نکالیں، جس سے یہ لافانی دین اپنی جملہ بہاروں اور اداؤں کے ساتھ پھر سے عالم کو گلزار بنا سکے۔ کیونکہ اسلام آخری دین، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی اور یہ امت آخری امت ہے:

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے اس کی اذانوں سے فاش سرکلیم وخلیل

وما علینا الا البلاغ المبین